نظرات

افسوس ہے ۱۷ر جنوری کی شام کو نواب آف چھتاری سر حافظ احمد سعید خاں صاحب نے ۹۴ برس کی عمر میں علیگڑھ میں وفات پائی اور دوسرے دن اپنے آبائی وطن چھتاری میں مدفون ہوئے، نواب صاحب تقسیم سے پہلے وائسرائے کی اکزکٹو کونسل کے ممبر اور یوپی کے گورنر رہ چکے تھے اس لیے ان کا جنازہ ان کی کوٹھی راحت منزل سے یونیورسٹی تک اور یونیورسٹی سے چھتاری تک پورے سرکاری اعزاز واکرام کے ساتھ لے جایا گیا، جلوس میں ہر فرقہ وملت کے ہزاروں سوگواروں کے علاوہ متعدد وزراء اور اترپردیش کے اعلیٰ افسران حکومت بھی شامل تھے۔ نماز جنازہ جس میں ہزاروں مسلمان شریک ہوئے، علیگڑھ اور چھتاری دونوں جگہ ہوئی۔ جن لوگوں نے سرسید (متوفی ۱۸۹۸ء) کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کی باتیں سنی ہیں، نواب صاحب غالباً اس بزم کی آخری شمع تھے، سدا رہے نام اللہ کا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گزشتہ ایک صدی کے اندر برصغیر کے مسلمانوں میں مختلف حیثیتوں سے بڑی بڑی نامور اور قدآور شخصیتیں گذری ہیں جن کے طنطنہ، شہرت وکمال سے اس ملک کے بام ودر عرصہ تک گونجتے رہے ہیں اور اب وہ تاریخ کی گود میں آسودۂ سکون ہیں لیکن یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دین اور دنیا کے اعلیٰ صفات وکمالات اور امیری میں درویشی کی جامعیت کے اعتبار سے نواب صاحب کی شخصیت منفرد اور اپنی مثال آپ تھی، چنانچہ ایک طرف دنیوی عزت ووجاہت کے نقطۂ نظر سے انگریزوں کے عہد میں جو عہدہ ومنصب ایک ہندوستانی کی معراج ہو سکتا ہے وہ انھیں حاصل تھا، وہ وائسرائے کی کونسل کے ممبر بنے، اترپردیش کے پہلے مسلمان گورنر مقرر ہوئے، نظام حیدرآباد کے وزیر اعظم یا مدارالمہام برسوں رہے، نظام ٹرسٹ

سے رکن منتخب ہوئے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پہلے پرو چانسلر اور پھر چانسلر سالہا سال رہے، گورنمنٹ اور پبلک ہر جگہ بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے۔ برطانیہ کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس، لندن میں بھی شریک ہوئے، آزادی کے بعد خانہ نشین ہوگئے تھے، اور سیاست سے عملاً کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا، پھر بھی دو مرتبہ راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔

اور دوسری طرف دینداری کا عالم یہ تھا کہ نماز، روزہ اور اوراد و وظائف کی سخت پابندی کے علاوہ قرآن مجید سے ان کو عشق تھا، آٹھ برس کی عمر میں حافظ ہوگئے تھے اور ہر سال (خواہ کہیں ہوں، یہاں تک کہ گورنری کے زمانہ میں گورنمنٹ ہاؤس میں بھی) —— تراویح میں قرآن مجید بڑی پابندی اور اہتمام سے سناتے تھے، چند سال ہوئے، ایک مرتبہ انھوں نے خود راقم الحروف سے فرمایا تھا: الحمد للہ! میں نے ۱۵ محرابیں پڑھی ہیں" اس کے بعد مرحوم نے دو مرتبہ اور تراویح میں قرآن سنایا ہے، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے یوں بھی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے بالکل صوفی منش اور درویش صفت انسان تھے، ایک رئیس اعظم اور بلند مرتبہ صاحب منصب و عہدہ ہونے کے باوصف نہایت حلیم و بردبار، خندہ جبیں و ملنسار، نہایت متواضع اور خوش گفتار تھے، امیر ہو یا غریب ہر ایک سے کمال التفات اور توجہ سے گفتگو کرتے تھے، دکھ درد میں ہر ایک کے غمگسار اور شریک رہتے تھے، ارباب حاجت و ضرورت کی مدد کرکے انھیں خوشی ہوتی تھی، علماء اور مشائخ کی صحبت کے جویا رہتے تھے، یونیورسٹی سے ان کو محبت نہیں عشق تھا، اس کے ہر فنکشن میں شریک ہوکر اکثر اردو میں اور کبھی کبھی انگریزی میں دلچسپ اور موثر تقریر کرتے تھے، طلباء کے وظائف کے لیے ایک خطیر رقم مقرر تھی جسے ہر سال خرچ کرتے تھے، شادی بیاہ، دعوت و ضیافت میں کوئی بلائے اسے رد کرنا ان کے حسن اخلاق سے بعید تھا۔

صحت ہمیشہ بہت اچھی رہی، جسم گٹھا ہوا، مضبوط اور پھرتیلا تھا، شاید کسی زمانہ میں پہلوانی بھی کی ہو، بہرحال شہسواری ان کا خاندانی اور موروثی ہنر تھا، شکار کے اتنے شوقین تھے کہ مرض الوفات میں مبتلا ہونے سے چند ماہ پیشتر تک شکار میں برابر جاتے رہے، اسپورٹس میں بھی ایسے تھے کہ بوائے اسکاؤٹس ایسوسی ایشن کے چیرمین اخیر تک رہے، حیات مستعار کے طویل سفر میں بیمار بار ہا پڑے اور کبھی کبھی علالت بہت شدید اور تشویش انگیز ہو بھی گئی مگر علاج معالجہ ہوا صحتیاب ہو ہو گئے، لیکن ابھی چند ماہ پہلے ایسے صاحب فراش ہوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے، کمزوری بڑھتی رہی، غذا اور دوا موقوف ہو گئی، اکثر بیہوشی اور استغراق کا عالم طاری رہتا تھا۔ اس جہان ناپائیدار سے رشتہ منقطع ہو رہا تھا اور حیاتِ جاودانی کے چمن لذت و سرور کی عطر بیز ہواؤں کا دریچہ کھل گیا تھا اس لیے اس عالم سکر و بے خودی میں زبان برابر ذکر الٰہی کے ورد میں مصروف تھی، بار بار ہاتھ اٹھاتے اور بڑھاتے تھے، گویا کچھ محبوب صورتیں انھیں نظر آ رہی ہیں اور وہ ان کی دست بوسی و ہم آغوشی کے لیے بے قرار ہیں، چنانچہ غایت درجہ ناطاقتی کی حالت میں ڈاکٹر انجکشن دینے کا ارادہ کرتا تو فرماتے: ڈاکٹر! اب طاقت کا انجکشن دے کر مجھ کو میرے حبیب کے پاس جانے سے مت روکو۔" اہل خانہ پر گریہ طاری ہو گیا تو بڑے صاحبزادہ کا ہاتھ میں ہاتھ لے کر بولے: "میاں! ہم اس دنیا میں مہمان بن کر آئے تھے، ورنہ ہمارا اصلی گھر تو دوسری جگہ ہے، اور مہمانی ایک دن، دو دن، حد سے حد تین دن کی، اور ہم تو پھر بھی بہت رہ لیے، بس! اب جانے دو" آخر اسی عالم اضطراب و شوق میں عصر اور مغرب کے درمیان کا جھٹ پٹا وقت تھا کہ حیات ناسوتی کا پردہ اٹھا۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ، کی صدائے دلنواز حریم قدس سے فردوس گوش ہوئی اور ایک روحِ بے قرار و بے تاب وصلِ حبیب کے دامن میں پناہ لے کر قرار پا گئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔